* ڈاکٹر سلیم طارق

عربی ادب کی صنف سخن ـ السجع

عربی ادب دنیا کے بہترین آداب میں سر فہرست ہے ۔ کیونکہ عربی ادب اپنی معاشرتی زندگی کا بھرپور عکاس ہے ۔ اور اس وقت دنیا میں موجود تمام آداب کے مقابلے میں سب سے قدیم تر ہے ۔ عربی ادب کے آغاز کا جائزہ لینے والے نقاد اور محققین نے زیادہ تر اسلام سے قبل کی شاعری پر انحصار کیا ہے ۔ لیکن عربوں کے ہاں بیان کی ایسی بھی اصناف تھیں جن کا احاطہ کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ آ جاتی ہے کہ عربی ادب کی جڑیں ان کے معاشرہ کی تہذیب و تمدن میں بہت گہرائی تک چلی گئی تھیں ۔ اور شعر کے علاوہ نثری ادب بھی اس قدر مستحکم تھا کہ بعد میں ایک زمانہ تک اس کے اثرات عربی زبان میں ظاہر ہوتے رہے ۔ عربوں نے ہر دور میں بیان کو خصوصی اہمیت دی ہے ۔ اور ان کے اس لفظ ''البیان'' ۔ میں اس دور کی وہ تمام اصناف سخن شامل تھیں جو ان کے مختلف ادبی گروہوں میں مستعمل تھیں ۔ اہل عرب نے ہمیشہ بیان کی ان اصناف کو زیادہ ترجیح دی جو فی البدیہہ اور ارتجالاً ہو ۔ کیونکہ یہ بھی الہام فکری کی ایک صورت ہوتی تھی اور ان کے ہاں ایسا کلام ہی سند قبول حاصل کرتا تھا ۔ جو جودت فکر اور سلاست کلام میں سب سے بہتر ہو ۔ لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں سجع کی صورت میں نثر مرسل کی ایک ایسی قسم موجود تھی ۔ جو شعر کے قریب تھی ۔ اور بعض نقاد حضرات کے نزدیک تو عربی شاعری کا آغاز ہی سجع سے ہوا ۔

عہد جاہلیت میں عربی زبان اپنے کلام و بیان کے اعتبار سے نہایت ترقی یافتہ وسعت الفاظ و معنی اور مختلف اصناف سخن سے معمور تھی ۔ جس میں نثر اور شعر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود تھے ۔ عربوں میں اپنی زبان پر فخر کرنا تاریخی حوالوں کے لحاظ سے کوئی نئی دریافت نہیں ہے ۔ عمومی طور پر ان کا کلام ارتجال اور بداہت کا عمدہ اظہار ہوتا تھا ۔ اکثر نقاد حضرات نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عہد جاہلیت میں عربی کلام تعقید لفظی سے پاک ہے ۔ اس میں بے ساختگی اور سادگی کی خصوصیات نمایاں ہیں ۔ لیکن اس دور میں عربی زبان کی ایک ایسی صنف سخن کا پتہ چلتا ہے ۔ جس میں غموض ، تعقید لفظی ، تراکیب کی

---

*اسسٹنٹ پروفیسر ، شعبہ عربی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

پیچیدگی ، معانی کی تفہیم میں دقت موجود ہے ۔ یہ صنف سخن جس میں کوئی دوسری قوم عربوں کی ہم پلہ نہیں ہو سکتی سجع کہلاتی ہے ۔

سجع عربی زبان کی ایک ایسی صنف سخن ہے ۔ جس کو نہ تو شعر قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ نثر مرسل ، بلکہ یہ ایک ایسی صنف سخن ہے ۔ جس میں کسی حد تک وزن کا التزام بھی ہے اور قافیے کی بندشیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں ۔ کلام سجع میں روی کا موجود ہونا بھی لازمی قرار دیا جاتا ہے ۔ یہ صنف سخن اس دور کے خطیبوں اور شعراء کے ہاں بھی متداول و معترف ہے تاہم جس طبقۂ خاص کی پہچان اس کلام کے حوالے سے ہوئی ہے ۔ وہ عربوں کے وہ کاہن تھے اور عربوں کے نزدیک ان کے روحانی پیشوا تھے ۔ جن کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ ان کے پاس غیب کا علم ہوتا ہے ۔ اور جو اپنی مسجع گفتگو سے لوگوں کو الجھا کر جاہل عوام سے داد عقیدت حاصل کرتے تھے ۔ یہی سجع عربوں کے ہاں ایک مقدس کلام کی حیثیت رکھتی تھی اور عرب اپنے کاہن کی گفتگو اور احکام پر عمل کرنا نہ صرف سعادت بلکہ ضروری خیال کرتے تھے ۔ عربی زبانٔ زمان و عصور سے گزر کر صحرائی وادیاں عبور کر کے جغرافیائی طور پر عرب کی پابندیوں سے بھی دور نکل آنے کے باوجود مسجع گفتگو سے اپنی جان نہ چھڑا سکی ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسجع گفتگو جامد ، مقلد اور زوال پذیر معاشروں میں زیادہ فروغ پاتی ہے ۔ لیکن سجع کے صنعتی عجائبات ، اس کی حقیقت ، ماہیت اور فنون کا جاننا عربی زبان کی وسعتوں کو پہچاننے کے لیے ضروری ہے ۔

سجع کے لغوی مفاہیم :

ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا سجع کے مفہوم کو اس طرح بیان کرتے ہیں :

"السین ، والجیم ، والعین ، اصل یدل علی صوت متوازن من ذلك السجع فی الکلام وھو ان یوتی به وله فواصل کقوافی الشعر"[1]

سجع یہ ہے کہ کلام میں متوازن صوت کا اہتمام ہو اور اس میں شعر کے قوافی کی طرح فواصل کا اہتمام کیا جائے ۔

دراصل سجع کا مادہ (س ، ج ، ع) ایک صوت متوازن پر دلالت کرتا ہے ۔ اس کی مثال اس طرح پیش کی گئی ہے ۔

"من قل ذل ، و من امر فل"[2]

ابن سیدہ نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

"سجع، یسجع، سجعاً، استوئ واستقام واشبه بعضه بعضاً"[۳]

سجع کا مفہوم یہ ہے کہ برابر ہو اور مستقیم ہو اور اس کے فواصل ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہوں۔

ابن جنی کا بیان ہے:

"سمي سجعا لاشتباه اواخره و تناسب فواصله و کسره علی مجوع فلا ادری ارواه ام ارتجله"[۴]

سجع کو سجع اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے فواصل کے آخر میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور اس کے فواصل میں ایک خاص تناسب ہوتا ہے۔ اور اس میں اندرونی طور پر وزن کا التزام پایا جاتا ہے۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ اختیاری ہوتا ہے یا ارتجالاً۔

خلیل بن احمد الفراہیدی نے اپنی کتاب "کتاب العین" میں سجع کی یہ تعریف بیان کی ہے۔

"سجع الرجل اذا نطق بکلام له فواصل کقوافی الشعر من غیر وزن"[۵]

ابن منظور لسان العرب میں سجع کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سجع، یسجع، سجعا، استوی واستقام واشبه بعضه' بعضاً"[۶]

الجوہری نے الصحاح میں لکھا ہے:

"السجع الکلام المقفی"[۷]

دکتور جواد علی سجع کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"الکلام المقفی او موالاة الکلام علی روی واحد"[۸]

ایسا کلام مقفیٰ جو لگاتار ایک ہی روی پر کاربند رہے۔

تاج العروس میں الزبیدی نے سجع کی تعریف یوں کی ہے:

"نطق بکلام له فواصل، کفواصل الشعر من غیر وزن"[۹]

ایسے کلام میں گفتگو کرنا کہ شعر کے فواصل کی طرح اس میں فواصل پائے جائیں لیکن وزن کا التزام نہ ہو ۔

قاضی ابوبکر الباقلانی سجع کے معنی کی تحدید کرتے ہوئے وزن کو سجع کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں ۔

''ھو موالاۃ الکلام علی وزن واحد''[۱۰]

وہ ایک ایسا کلام ہے جو ایک ہی وزن پر استوار ہو ۔

ابن اثیر نے اپنی کتاب المثل السائر میں سجع کی تعریف یوں بیان کی ہے ۔

''تواطؤ الفواصل فی الکلام المنثور علیٰ حرف واحد''[۱۱]

نثری کلام میں فواصل کا حرف واحد میں قافیہ دہرانا ۔

ابن کثیر آگے چل کر سجع کے بارے میں مزید لکھتے ہیں :

''ان الاصل فی السجع انما ھو الاعتدال فی مقاطع الکلام و اعتدال مطلوب فی جمیع الاشیاء والنفس تمیل الیہ بالطبع''[۱۲]

دراصل سجع اعتدال کا نام ہے ۔ جو مقاطع کلام میں موجود ہو ۔ اور تمام اشیاء میں اعتدال لازمی ہے ۔ کیونکہ طبیعتیں اس کی طرف میلان رکھتی ہیں ۔

سجع کی شرائط :

۱ ۔ اختیار مفردات الالفاظ

۲ ۔ اختیار الترکیب

۳ ۔ ان یکون اللفظ فی الکلام المسجوع تابعاً للمعنی لا المعنی تابعاً للفظ
لفظ کلام سمجھنے میں معنی کے تابع ہوں ۔ نہ کہ معنی لفظوں کے تابع ہوں ۔

۴ ۔ ان تکون کل واحدۃ من الفقرتین المسجوعتین دالۃ علیٰ معنی غیر المعنی الذی دلت علیھا اختھا ۔
ہر جملہ اپنا مفہوم مکمل بیان کرے اور دوسرے جملے کے معنی سے مختلف ہو ۔

مشہور مستشرق گولڈ زئیر (Galdzyhear) کے نزدیک سجع ابواب شعر میں داخل ہونے کا پہلا مرحلہ ہے - اور یہی وہ سرزمین ہے - جس سے عربی شعر پروان چڑھا ہے - کیونکہ ابتدائی عربی شاعری اسی طرح کے جملوں پر مشتمل ہے - جس طرح کہ سجع میں پائے جاتے ہیں - اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عربی شاعری نے سجع سے ہی ترقی کر کے شعر کی حیثیت اختیار کی ہے -

ڈکتور جواد علی نے گولڈ زئیر کے اس بیان کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے -

''الکلام المسجع ھو ضرب من ضروب الشعر عند غیرالعرب وقد طور الشعراء السجع و اوجدوا منه الشعر واذا درسنا اول الشعر العبرانی و اولیات الشعر عندالشعوب السامیة و عندالشعوب الآریة نجد اله نمط من انماط ھذا الکلام الذی نسمیه السجع''۱۳

سجع کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ کاہنوں کی طرف اس طرح منسوب ہے - جس طرح شعر کی صنف سخن شاعروں کی طرف منسوب ہے -

عہد جاہلیت میں اصحاب سخن کے مختلف طبقات تھے - اور ان میں سے ہر طبقہ کا اپنا مخصوص انداز گفتگو تھا - اور کاہن اپنے ممتاز انداز گفتگو کے سبب دوسروں سے نمایاں تھے -

''البیان والتبیین'' میں ''جاحظ'' نے اس کو مزید وضاحت سے اس طرح بیان کیا ہے -

''إن الکھان کانوا یتکھنون و یحکمون بالاسجاع''۱۴

بڑے بڑے کاہن سجع کے ذریعے ہی سے فیصلے کرتے تھے - اور کاہن اسی سجع ہی کے ذریعے سے کہانت کا کام کرتے تھے -

ڈکتور جواد علی کے مطابق ''کاہنوں ، جادوگروں اور شاعروں کا تعلق ایک ایسے گروہ سے تھا جو خصوصی اسالیب کو استعمال کر کے اپنے سامعین کے عواطف پر اثر انداز ہوتے تھے - کاہن اور جادوگر سجع کو استعمال کرتے تھے - اور شعرا شعر کو - جبکہ خطباء اپنے خطبوں میں سجع کرتے تھے - تاہم نثر مرسل ان کے مختلف اسالیب میں ان کے زیر استعمال تھی -''۱۵

دور جدید کے محقق جرجی زیدان بھی ڈاکٹر جواد علی کے ہم خیال ہیں ان کے مطابق عربوں کے کاہنوں کی خاص زبان تھی۔ جو اپنی تسجیع کے سبب سجع الکہان کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ جس میں الجھاؤ اور غموض پایا جاتا تھا[۱۶]۔

عربی زبان میں مسجی عبارات کا کیونکہ اپنا اسلوب تھا۔ اس لیے بہت سے نقادان فن کے نزدیک یہ موضوع بحث رہی ہیں۔

ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں :

"کاہنوں کی سجع کا ایک خاص طریقہ تھا۔ جو انہیں اور لوگوں سے ممتاز کرتا تھا۔ اس طریقہ میں چھوٹے چھوٹے فقرات، قوافی کا التزام، فواصل کا ہونا ہر فقرہ میں لازم تھا۔ اس میں سے اکثر عام مشکل اور مبہم الفاظ پر مشتمل ہوتے تھے تاکہ فقرہ مشکل ہو۔ جس کی متعدد تاویلیں نکل سکتی ہوں۔ اور کئی تفسیریں بن سکتی ہوں۔ نہ تو یہ کاہن پر لازم تھا اور نہ ہی اس میں کوئی حرج سمجھا جاتا تھا کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح واضح کلام کرے اور یہ کلام جھوٹے اور جاہل ہونے پر دلالت کرتا تھا"۔

عباسی عہد کے مشہور ادیب اور عربی ادب کے نقادوں کے سرخیل جاحظ کہتے ہیں :

"ان العرب استعملت الموزون والمقفی والمنثور فی مساجلة الخصوم والرجز فی اعمال التی تحتاج الی تنشیط وبعث همة و عند مثاجاة الخصم و ساعاة المثاولة و فی نفس المجادلة والمحاورة واستعملت الاسجاع عندالمفاخرة والمنافرة واستعملت المنثور فی الاغراض الاخری[۱۷]۔

سجع کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کا مختلف اہل لغت اور اہل نقد کی آراء کی روشنی میں بنظر غائر تجزیہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل عرب کے ہاں سجع ایک ٹھوس ادبی صنف کی حیثیت میں متداول تھی۔ اور اس صنف سخن نے عربی سرزمین میں ہی نشوونما پائی۔ اور یہ خارجی لسانی اثرات سے محفوظ رہی۔ سجع کے لغوی مفہوم میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر لفظ ایک ایسی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے جس میں موسیقیت پائی جاتی ہو۔ اور ایک ہی انداز میں بتکرار دہرائی جاتی ہو۔ اور اصطلاحی معنی میں سجع اس کلام کو کہیں گے۔ جس میں قافیہ روی اور کسی حد تک وزن کا التزام کیا جاتا ہو۔ البتہ سجع

اپنے مختلف اسالیب کے اعتبار سے مختلف اقسام میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اس کی یہ تقسیم بنیادی طور پر فواصل اور مقاطع کے پیش نظر کی جاتی ہے کیونکہ اس کے فواصل بعض اوقات ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

سجع کی اقسام :

عہد جاہلیت میں سجع خطباء، شعراء اور کاہنوں کے درمیان نثر کی حیثیت سے ایک مقبول فن کی حیثیت رکھتی تھی۔ مختلف طبقات کی ضروریات فن اور طبائع کی وجہ سے اس کے انداز و اسالیب میں بھی فرق ہوتا تھا۔ کہیں پر سجع کے فواصل نہایت مختصر ہوتے تھے۔ اور کہیں پر طویل، کہیں ایک فقرہ چھوٹا ہوتا تھا۔ اور دوسرا بڑا۔ کہیں پر پورا پیراگراف ایک ہی لہج پر چلتا تھا۔ اور کہیں پر پیرایہ ہی مختصر ہوتا تھا۔ اگر عہد جاہلیت کے نثری و سجعی کلام کا جائزہ لیں تو اس میں مختلف اقسام کا پایا جانا ایک فطری امر تھا۔

سجع کی بہت سی اقسام کا علماء نقادان فن نے ادراک کیا ہے۔ اور ان کو ان کے اصطلاحی ناموں سے موسوم بھی کیا ہے۔ خاص طور پر ابن اثیر کی کتاب ''المثل السائر''۔ میں سجع اور اس کی اقسام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اس کے علاوہ ڈاکٹر جواد علی نے ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' میں اور ابوهلال العسکری نے اپنی کتاب ''کتاب الصناعتین'' میں ان اقسام کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض کا استدراک اردو دائرۃ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے بھی کیا ہے۔ ابن القیم نے اپنی کتاب الفوائد میں بھی سجع کی اقسام پر بحث کی ہے۔

سجع کی اقسام درج ذیل ہیں :

۱ - السجع المتوازی
۲ - السجع المطرف
۳ - السجع القصیر
۴ - السجع الطویل
۵ - السجع فی السجع
۶ - السجع فی الموازنه
۷ - السجع الترصیع
۸ - السجع المذموم۔

السجع المتوازی :

اس کی تعریف ابو ہلال العسکری نے اپنی کتاب "کتاب الصناعتین" میں اس طرح کی ہے :

"ان یکون الجزآن متوازنین ، متعادلین ، لا یزید احدھما علی الآخر مع اتفاق الفواصل علی حرف بعینہ"[18]

اس کی مثال میں وہ ایک بدو کے کلام کی مثال پیش کرتا ہے ۔

"سنة جردت ، و حال جھدت ، واید جمرت ، فرحم اللہ من رحم فاقرض من لا یظلم" ۔[19]

بدو کی یہ مثال پیش کرنے کے بعد ابو ہلال العسکری کہتا ہے :

"فہذہ الآجزاء متساویة لا زیادة فیھا ولا نقصان والفواصل علی حرف واحد" ۔[20]

کہ اس سجع کے الفاظ و اجزاء برابر ہیں ۔ ان میں سے نہ تو کسی جز میں اضافہ ہے اور نہ ہی کمی اور اس کے فواصل بھی ایک ہی حرف پر واقع ہیں ۔

اس کی ایک اور مثال ایک اعرابی کا قول ہے ۔ جس سے پوچھا گیا تھا کہ تیرے بھائیوں میں سے کون باقی بچا تو اس نے جواب دیا ۔

"کلب نابح و حمار راسح وأخ فاضح" ۔[21]

السجع المتوازی کے تمام اجزاء متساوی ہوتے ہیں ۔ اور ان میں کمی بیشی کا نقص نہیں پایا جاتا ۔ اگر کہیں ان میں معمولی فرق پایا بھی جائے تو وہ اتنا اہم ہوتا ہے ۔ کہ اس کو غلطی شمار نہیں کیا جا سکتا ۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے ابو ہلال العسکری نے کہا ہے :

"فہذہ الفصول متوازیة لا زیادة فی بعض اجزائھا علی بعض بلی فی القلیل منھا و قلیل ذلك مغتفر لا یعتد بہ" ۔[22]

ابن اثیر نے اپنی کتاب "المثل السائر" میں سجع کی اقسام پر بحث کرتے ہوئے سجع کی اس قسم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ۔

"ان یکون فصلان متساویین لا یزید احدھما علی الآخر" ۔[23]

ابن الاثیر نے یہ تعریف بیان کرنے کے بعد اس کے لیے استشہاد کے طور پر قرآن کی یہ آیات درج کی ہیں :

''فاما الیتیم فلا تقھر ، فاما السائل فلا تنھر'' ۔۲۴

۲- السجع المطرف :

سجع کی یہ ایک ایسی قسم ہے- جس میں فواصل کا فرق نہایت واضح ہوتا ہے- یعنی پہلا فاصلہ دوسرے کی نسبت چھوٹا ہوتا ہے ۔ اس کی بنیاد یہ ہوتی ہے ، کہ دوسرے فاصلہ میں پہلے کی نسبت زیادہ متشابہ کلمات لائے جائیں ، جو وزن ، عدد ، حروف اور روی میں تو متفق ہوں ۔ لیکن فواصل میں موجود کلمات کی تعداد ایک دوسرے پر مختلف ہو ۔ اور الفصل الثانی ، الفصل الاول سے طویل ہو ۔ لیکن اس قدر طویل نہ ہو کہ حد اعتدال سے باہر نکل جائے ۔ کیونکہ یہ اس کا عیب شمار ہوگا ۔ اور سجع کے حسن کے بھی خلاف ہوگا ۔ ابن الاثیر نے السجع المطرف کی تعریف یوں کی ہے :

''ان یکون الفصل الثانی اطول من الاول ، لا طولا یخرج به عن الاعتدال خروجا کثیراً فانه یقبح عند ذالک ولیستکبره ویعد عیبا''۔۲۵

ابن اثیر سجع کی اس قسم کے بارے میں لکھتے ہیں :

''کہ سجع کی اس قسم میں اگر تین جملے یا فقرے اور فواصل پائے جائیں تو دوفواصل کو ایک ہی فاصلہ شمار کیا جائے گا اور تیسرے کو ایک فاصلہ سمجھا جائے گا ۔۲۶

ابن اثیر نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے :

''ویستثنی من ھذا القسم ما کان من السجع علیٰ ثلاث فقر ، فان الفقرتین الاولین یحسبان فی عدۃ واحدۃ ثم باقی الثلاثۃ فینبغی ان تکون طویلۃ ولا یزید علیھا فاذاکالت الاولیٰ والثانیۃ اربع لفظات تکون الثالثۃ عشر لفظات او احدی عشرۃ'' ۔۲۸

اس کے پہلے اور دوسرے فواصل میں چار چار کلمات پائے جاتے ہیں ۔ اور تیسرے فقرہ میں دس کلمات ہو سکتے ہیں ۔ ان کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے ۔ اور اگر پہلے اور دوسرے فواصل میں الفاظ کی تعداد زیادہ ہو جائے تو تیسرا فاصلہ میں ان کی نسبت سے زیادہ الفاظ کا استعمال لازم ہو جاتا ہے ۔ اور اگر پہلے

اور دوسرے فواصل میں الفاظ کی تعداد کم ہو جائے تو تیسرے میں بھی الفاظ کا کم ہونا ضروری ہے ۔ اس کی مثال میں وہ قرآن کی درج ذیل آیات پیش کرتا ہے :

''و اصحاب الیمین ۔ ما اصحاب الیمین ، فی سدر مخضود و طلح منضود وظل ممدود'' ۔[۲۸]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے سجع کی اس قسم کی تعریف یوں کی ہے :

''فقروں کے آخر میں دو کلمات جو قافیے میں متفق ہوں ۔ لیکن وزن عدد اور حروف میں مختلف ہوں لائے جاتے ہیں''

مثلاً ''محط الرحال و مخیم الآمال''[۲۹]

۳۔ السجع القصیر :

سجع کی یہ قسم سجع مطرف سے مختلف ہے ۔ اس قسم میں الفصل الاول الاخیر سے زیادہ طویل ہوتا ہے ۔ اس کے استماع سے سامع کو ایک طرح کی تشنگی کا احساس رہتا ہے ۔ کیونکہ اس کی سماعت بیان کی ہے ۔

''فمنه ما یقرب من السجع الطویل وهو ان یکون تالیفه من احدی عشرة لفظة الی اثنتی عشرة لفظة واکثره خمس عشرة لفظة'' ۔[۳۲]

مثلاً

''لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم ۔ فان تولوا فقل حسبی الله لا اله الا هو علیه توکلت وهو رب العرش العظیم''[۳۳]

المثل السائر کے مصنف نے السجع الطویل میں ۲۰ الفاظ کی عبارت کو بھی سجع بتایا ہے ۔

''ومن السجع ما یکون تالیفه من العشرین لفظة فما حولها'' ۔[۳٤]

۴۔ السجع فی السجع :

ابو ہلال العسکری نے اپنی کتاب ، کتاب الصناعتین میں سجع کی جو اقسام بیان کی ہیں ۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے ۔ وہ السجع فی السجع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ان یکون الفاظ الجزئین المزدوجین مسجوعة فیکون الکلام سجعاً فی السجع" ۔۳۵

اس کی مثال میں وہ بصیر کا قول پیش کرتے ہیں :

"حتی عاد تعریضك تصریحاً و تمریضك تصحیحاً" ۔۳۶

اس مثال میں تعریض اور تمریض پہلی سجع اور تصریح اور تصحیح دوسری سجع ہے ۔

۵۔ السجع المتوازن :

یہ سجع کی ایک ایسی قسم ہے جس میں وزن میں تو موافقت ہوتی ہے لیکن حرف روی میں موافقت مفقود ہوتی ہے ۔ ایسی شکل اگر نثر میں ہو تو سجع متوازن اور اگر شعر میں ہو تو اسے الموازنہ کہیں گے ۔ اور اس کو مماثلہ کا نام بھی دیا گیا ہے ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار السجع المتوازن کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے ۔

"وزن میں تو موافقت ہو ۔ لیکن حرف روی میں اختلاف ہو" ۔
مثلاً قد اتسع المجال بعد التضایق واتجه المراد بعد التمانع"

تضایق اور تمانع میں سجع متوازن ہے ۔۳۹

۶۔ السجع الترصیع :

سب سے زیادہ پرتکلف سجع السجع الترصیع ہے ۔ اس میں الفاظ میں تکلف کا امتزاج زیادہ کیا جاتا ہے ۔ اور اردو میں نثر مرصع کہلاتی ہے ۔ اس کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ فصل اول میں ایک دوسرے سے متساوی الفاظ ہوں ۔ جو فصل ثانی سے وزن اور کافیہ میں تطابق کریں ۔ قرآن پاک میں اس سجع میں تکلف کی وجہ سے مثالیں مشکل سے ملتی ہیں ۔ ابن الاثیر نے اپنی کتاب المثل السائر میں السجع الترصیع کی تعریف یوں کی ہے :

"هو ماخوذ من ترصیع العقد ، و ذاك ان یکون فی احدی جالبی العقد من اللآلی مثل ما فی جالب الآخر ۔ وکذلك نجعل هذا فی الالفاظ المنثورة من الاسجاع وهو ان یکون کل لفظة من الفاظ الفصل متساوية بکل لفظة و من الفاظ الفصل الثانی فی الوزن والقافية" ۔۴۰

۷- السجع الموازنۃ :

ابن اثیر موازنہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''سجع میں موازنہ سب سے اہم قسم گردانی جاتی ہے - کیونکہ یہ اپنے فن کے اعتبار سے شعر کے قریب پہنچ جاتی ہے - اور اس وجہ سے اس میں اعتدال کی خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے - اور اعتدال کائنات کا حسن ہے - اور یہی انسانی حواس کو متأثر کرتا ہے - یہ سجع کی احسن ترین صنف سخن کہی جا سکتی ہے - اس میں فواصل بھی موجود ہوتے ہیں - اور روی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے - ابن اثیر نے اپنی کتاب المثل السائر میں سجع الموازنہ کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے - وہ اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''وھی ان یکون الفاظ الفواصل من الکلام المنثور متساویۃ فی الوزن و ان یکون صدر البیت الشعری و عجزہ متساوی الالفاظ وزناً و للکلام بذلك طلاوۃ و رونق او سببہ الاعتدال لانہ مطلوب فی جمیع الاشیاء واذا کانت مقاطع الکلام معتدلۃ وقعت من النفس موقع الاستحسان و ھذا مرا فیہ لوضوحہ و ھذا النوع من الکلام ھو اخوا السجع فی المعادلۃ دون المماثلۃ لان فی السجع اعتدالا و زیادۃ علی الاعتدال - وھی تماثل اجزاء الفواصل لورودھا علی احرف واحد واما الموازنۃ ففیھا الاعتدال الموجود فی السجع ولا تماثل فی فواصلھا فیقال اذا کل سجع موازنۃ ولیس کل موازنۃ سجعاً وعلی ھذا فالسجع اخص من الموازنۃ۔۳۷

ابن اثیر نے اس کی مثال میں یہ قرآنی آیات درج کی ہیں :

''اتینھما الکتب المستبین ، وھدینھما الصراط المستقیم''۔۳۸

یہاں مستبین اور مستقیم میں موازنہ موجود ہے -

پہلے فاصلہ کے مطابق ہی وزن ، روی اور عدد حروف کی منتظر ہوتی ہے - جس کے مکمل نہ ہو سکنے کے سبب نقص کا احساس پایا جاتا ہے - اور یہی نقص اسے سجع کی بہترین اقسام سے باہر کر دیتا ہے - عربوں نے اس کی سجع کو کبھی قبول نہیں کیا - نتیجہ یہ ہے کہ اس کے استعمال کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں - اس کے بارے میں ابن الاثیر نے لکھا ہے :

''ان یکون الفصل الآخر اقصر من الاول ، و ھو عندی عیب فاحش و سبب ذلك ان السجع یکون قد استوفی امده من الفصل الاول بحکم طوله' ثم یجیٔ الفصل الثانی قصیراً عن الاول - فیکون کالشئی المتبور - فیبقی الانسان عند سماعه عن یرید الانتھاء الی غایة فیعثر دونھا و ھذا العرب اوعرالسجع مذھباً وابعده متناولاً ولا یکاد استعماله یقع الا نادراً'' -۴۰

السجع القصیر کی سب سے اعلیٰ قسم وہ ہے - کہ جس میں فقرے ، فواصل دو کلمات پر مشتمل ہوں - جیسے قرآن مجید میں اس کی مثالیں ملتی ہیں -

''والمرسلات عرفاً - فالعاصفات عصفاً'' -۴۱

السجع القصیر کے بارے میں بنیادی نقطہ یہ ہے ، کہ اس میں جملے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں جو عمومی طور پر تین تین کلمات یا چار چار ، پانچ پانچ کلمات پر مشتمل ہوتے ہیں - اور دس کلمات تک اضافہ بھی ہو سکتا ہے - لیکن اگر ان کلمات کی تعداد اس سے زیادہ ہو جائے تو اسے السجع الطویل کہیں گے -

۸ - السجع الطویل :

اس کی بھی مختلف اقسام ہیں - جن میں کلمات کی تعداد میں اضافہ کے لحاظ سے تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے - اور ان میں الفاظ ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ یا زائد ہوتے چلے جاتے ہیں- اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ الفاظ پر مشتمل ہوتے ہیں- اس کے بارے میں المثل السائر کے مصنف نے اس طرح تفصیل دی ہے -

۹ - السجع المذموم :

ابو ہلال العسکری نے اپنی کتاب ''کتاب الصناعتین'' میں سجع کی ایک اور قسم بیان کی ہے - جسے وہ السجع المذموم کہتا ہے - اور وہ اس سجع کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے -

''السجع المذموم الذی فیه من التکلف والتعسف''۴۹

جس میں تکلف ، الجھاؤ یا مشکل پسندی پائی جائے- مثلاً کسی کاہن کا قول ہے :

''والسماء والارض ، والقرض والفرض ، والغمز والبرض'' -۴۲

اسے السجع المذموم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں بناوٹ اور تکلف و تصنع سے کام لیا جاتا ہے -

سجع اگرچہ تمام طبقہ ہائے ادباء کے ہاں مستعمل تھی ۔ اور اس سے خطباء اور شعراء استفادہ کرتے تھے ۔ لیکن اپنے عہد میں سب سے زیادہ جن لوگوں نے سجع سے استفادہ کیا ، وہ کاہنوں کا طبقہ ہے ۔ یہ لوگ مذہبی رہنما کی حیثیت رکھتے تھے ۔ اور مختلف لوگوں کی نفسیاتی محرومیوں سے استفادہ کی غرض سے ایسی گفتگو کرتے تھے ۔ جس میں قافیہ روی اور وزن کا اہتمام کیا جائے ۔ لیکن ان کے کلام میں ابہام اور غموض ہوتا تھا ۔ لیکن ان کی روحانی اہمیت کے پیش نظر لوگ ان سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے تھے ۔ اور انہوں نے اسی سجعی انداز گفتگو کے بل بوتے پر تمام اہل عرب پر اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی ۔ یہاں تک کہ صنف سجع اس طبقہ سے مخصوص ہو کر رہ گئی ۔ اور یہ اپنی کہانت اور مختلف فیصلوں میں سجع ہی کا سہارا لیا کرتے تھے ۔

جب ہم کاہنوں کے بارے میں دیکھتے ہیں کہ ان کی غیب دانی کا دار و مدار استغراقی کشف پر ہے ۔ یہ بھی درست ہے کہ رات کو انہیں ایسے خواب نظر آتے ہیں ۔ جن سے آئندہ کے احوال اور دیگر اشیا اور واقعات جو معمولی بشر کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں ان پر کس قدر روشن ہو جاتے ہیں ۔

لیکن یہ لوگ حقیقت میں صاحب کشف و کرامات نہیں ۔ ان کے الہام کی اصل جنی یا شیطانی ہے ۔کوئی جن یا شیطان جسے ان کا تابع صاحب یا ولی ، مولا اور بالعموم رئی یا مرئی غالباً غیب دان کہا جاتا ہے ۔ ان کے اندر بولتا ہے ۔ ان کے وجدانی استغراق کا یہ تجسم جو پہلی نظر میں ان کو قدیم طرز کے شاعر کے ساتھ جس کی بابت یہ مان لیا گیا ہو کہ جن انہیں فوق العادہ سحری علم عطا کرتے ہیں ۔ مرتبط کرتا ہے ۔ ان کو ایک خارجی حقیقت نظر آتا ہے ۔ حتی کہ کاہن کو اس کا خیالی جن حقیقی معلوم ہوتا ہے ۔ اور خود وہ اپنے آپ کو اس کا مخاطب محسوس کرتا ہے ۔ وہ صاف طور پر دیکھتا ہے ۔ کہ ایک روح اس کے پاس آ رہی ہے ۔ اور وہ اس کے قدموں کی آواز سنتا ہے ۔ اور اس کے پاس اس کے بولنے کی آواز دور ہی سے آنے لگتی ہے ۔

زمانۂ قبل اسلام اجتماعی اور انفرادی دونوں زندگیوں میں کاہنوں کو بڑا دخل تھا ۔ تمام قبائلی اور ملکی اہم معاملات میں ان سے استفادہ کیا جاتا تھا ۔ بالخصوص جنگی مہموں اور غارتوں کے وقت ، جن میں وہ بالعموم خود بھی حصہ لیتے تھے ۔ اور کبھی بذات خود ان کی قیادت بھی کرتے تھے ۔ اس لیے بادشاہ اور ملکہ اپنے اپنے نجومی اور پیش گو رکھا کرتے تھے اور ہر قبیلے کا اپنا ایک کاہن یا کاہنہ نیز ایک خطیب اور شاعر ہوتا تھا ۔ نجی زندگی میں یہ کاہن

خاص طور پر ہر قسم کے جھگڑوں اور قانونی بحثوں میں بطور حکم کے فیصلے کرتے تھے ۔ چنانچہ کاہن کا تصور حکم کے تصور سے بالکل ملا ہوا تھا ۔ ان کے فیصلے خداوندی فیصلے تصور کیے جاتے تھے ۔ جن کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی جا سکتی تھی ۔ اس کے ساتھ ہی وہ خوابوں کی تعبیر دیتے ۔ گم شدہ اونٹوں کا پتہ دیتے ۔ زنا کا راز فاش کرتے ۔ دیگر جرائم اور بدکرداریوں ، بالخصوص چوریوں اور قتل وغیرہ کا پتا بتاتے تھے ۔ ان کار گزاریوں میں وہ اخبار غیب کے ادنیٰ درجے پر اتر آتے تھے ۔

اس قسم کے کاموں کے لیے انہیں کچھ رقم بطور اجرت اکرامیہ دی جاتی تھی ۔ البتہ ان لوگوں کو اجرت دینے سے پہلے ان کی پیش گوئی کی طاقت کا امتحان لیتے تھے ۔ اس قسم کے مرد اور عورتوں کا طبعاً بہت اثر ہوتا تھا ۔ اور وہ اکثر اپنے قبیلے کی حدود سے باہر اور دور دور تک تجاوز کر جاتا تھا ۔ یہ بھی نہیں تھا کہ کاہن بالکل ادنیٰ طبقہ سے چنے جاتے ہوں ۔ بلکہ بعض اوقات یہ لوگ بڑے بڑے ممتاز گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے ۔ اور کبھی کبھی قبیلہ کا سردار اور عقلمند طبقہ کے افراد ہوتے تھے ۔

کہا جاتا ہے کہ کاہنوں کا اپنا ایک الداز سجع تھا ۔ جس کی تفصیلات بعض محققین نے کتب تاریخ میں بالصراحت بیان کی ہیں ۔ دکتور جواد علی لکھتے ہیں :

”والسجع الکہان طریقة خاصة به میزته عن السجع غیرھم فھو قصیرالفقرات، یلتزم التقفیه ، و تساوی الفواصل من کل فقرتین او اکثر یعمد الیٰ الالفاظ العامة المبھمة المعماة والی تکوین الجمل الغامضة لیمکن تاویلھا متعددة و تفسیر بتفاسیر کثیرة لا تلزم الکاھن فیقع فی حرج کالذی یقع لو تکلم بکلام واضح صریح فیظھر بمظھر الجاھل الکاذب“ ۔۴۳

جرجی زیدان نے ابوالفرج الاصبہانی کے حوالے سے لکھا ہے :

”کاہنوں کے اقوال سجع چھوٹے ، مقفی نثر کے جملوں کی شکل میں ہوتے تھے ۔ جو عام طور پر ایک ہی قافیے پر ختم ہوتے تھے یا کبھی شاذ و نادر ایک جملہ چھوڑ کر پہلے جملہ کا قافیہ دہرایا جاتا تھا ۔ جیسا کہ عربستان میں ابتدائی زمانے سے آئندہ کی خبریں دینے والوں اور ساحروں کے ادنیٰ و اعلیٰ ہر طبقہ میں رواج چلا آتا تھا ۔ بہت شاذ و نادر طور پر باقاعدہ شعر میں استعمال کر لیا جاتا ہے“ ۔۴۴

عرب کے چند مشہور کاہن اور کاہنات

۱- شق بن انمار بن نزار :

اس نے مالک بن نصرلخمی کو اس کے خوفناک خواب کی صحیح تعبیر بتائی تھی -

۲ - سطیح بن مازن بن غسان :

اس نے کسریٰ کو اس کی حکومت کے زوال کی خبر دی تھی -

۳ - خنا خربن التوام الحمیری :

اس کے پاس ایک جن حاضر ہوتا تھا - جو اسے غیب کی خبریں دیتا تھا۔ بعد میں دونوں مسلمان ہو گئے -

۴ - سواد بن قارب الدوسی :

قبیلہ طئی کے پانچ افراد نے اس کا امتحان یوں لیا کہ ہر شخص نے ایک دوسرے سے چھپ کر ایک ایک چیز چھپا لی تھی - لیکن اس نے سب کو صحیح صحیح بتا دیا تھا -

۵ - مصاد بن مذعور القینی کی سہیلیاں :

یہ وہ کاہنات تھیں ، جنھوں نے مصاد کے گم گشتہ اونٹوں کے بارے میں اسے بتایا - اور اسے آنے والے حالات سے باخبر کر دیا -

۶ - زبراء الکاہنۃ :

یہ وہ کاہنہ تھی - جس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو ایک شادی کی دعوت میں بتا دیا تھا کہ آج رات تم پر غارت پڑنے والی ہے - لیکن انھوں نے اس کی بات نہ مانی اور وہ مارے گئے -

۷ - طریفۃ الکاہنۃ :

اس نے عمرو بن عامر بادشاہ یمن کو اس کی حکومت کے زوال اور قارب کے بند کی خرابی سے آگاہ کیا تھا -

۸ - سلمیٰ الهمدانیة والحمیریة :

۹ - عفیرا الکاهنة الحمیریة :

۱۰ - فاطمہ بنت مرالخثعمیة :

جس نے عبداللہ بن عبدالمطلب کی پیشانی میں نور نبوت دیکھ لیا تھا - اور شادی کی درخواست کی تھی -

یہ وہ کاہن اور کاہنات تھیں - جنھوں نے عربی ادب میں سجع کے حوالے سے اپنا مقام پیدا کیا یا عہد جاہلیت کے بڑے بڑے دوسرے کاہن ان کے اس انداز گفتگو کو نقل کرنے کی کوشش کرتے تھے - اسلام کے بعد اور قرآن پاک کے نزول کے سبب نثر مرسل ایک سادہ اور دلنشیں انداز میں سامنے آئی - تاہم عہد عباسی میں دوبارہ خطباء اور ادباء سجع کی طرف مائل ہونے لگے - خاص طور پر خطوط و رسائل اور توقیعات میں اس کا استعمال بڑھ گیا تاہم سجع نے کسی دور میں بھی عوامی سطح پر قبولیت حاصل نہیں کی - اگرچہ عہد عباسی میں اور عہد اندلس میں عربی زبان سجع کی صنف سے بہرہ ور ہوتی رہی - لیکن اس میں عہد جاہلیت کا رنگ قطعاً موجود نہ تھا - ادباء نے اس سے اس لیے بھی پرہیز کیا ہے - کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجع کہان سے منع فرمایا ہے -

حوالہ جات

۱- ابوالحسین احمد بن فارس ، معجم مقاییس اللغة ۳ : ۱۳۵

۲- نفس المصدر

۳- علی بن اسماعیل بن سیدة، المحکم والمحیط فی اللغة ۱: ۱۷۸

۴- نفس المصدر

۵- خلیل بن احمد الفراهیدی، کتاب العین ۵: ۱۲۷

۶- ابن منظور، لسان العرب ۷: ۲۱۲

۷- اسماعیل بن حماد الجوهری، الصحاح

۸- دکتور جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۸: ۷۳۹

۹- مرتضٰی الزبیدی، تاج العروس ۵ : ۳۷۵

۱۰- قاضی ابوبکر الباقلانی، اعجاز القرآن ص ۸۵

۱۱- ابن اثیر، المثل السائر ص ۲۷۱

۱۲- نفس المصدر ص ۲۷۵

۱۳- دکتور جواد علی، المفصل ۸: ۷۴۶

۱۴- الجاحظ، البیان والتبیین ۱ : ۲۸۹

۱۵- دکتور جواد علی، المفصل ۸: ۷۳۶

۱۶- جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغة العربیة

۱۷- دکتور جواد علی، المفصل ۸: ۷۴۵

۱۷- الجاحظ، البیان والتبیین ۳: ۶

۱۸- ابو هلال العسکری، کتاب الصناعتین ص ۲۰۳

۱۹- نفس المصدر

۲۰- نفس المصدر

۲۱- نفس المصدر

۲۲- نفس المصدر

۲۳- ابن اثیر، المثل السائر ص ۳۳۳

۲۴- القرآن، سورة الضحی، آیت ۶ تا ۷

۲۵- ابن اثیر، المثل السائر ص ۳۳۳

۲۶- نفس المصدر ص ۳۳۴

۲۷- نفس المصدر

۲۸- القرآن، سورة الواقعه، آیات ۲۷ تا ۳۰

۲۹- ابن اثیر، المثل السائر ص ۳۳۴
۳۰- نفس المصدر ص ۳۳۵
۳۱- القرآن، سورۃ المرسلات، آیت ۱ - ۲
۳۲- ابن اثیر ، المثل السائر ص ۳۳۷
۳۳- القرآن، سورۃ التوبۃ، آیت
۳۴- ابن اثیر، المثل السائر ص ۳۳۷
۳۵- ابو ہلال العسکری، کتاب الصناعتین ص ۲۰۲
۳۶- نفس المصدر
۳۷- ابن اثیر، المثل السائر ص ۳۳۵
۳۸- القرآن، الصفت
۳۹- اردو دائرہ معارف اسلامیہ مقالہ السجع
۴۰- ابن اثیر، المثل السائر ص ۳۶۱
۴۱- ابو ہلال العسکری، کتاب الصناعتین ص ۲۰۴
۴۲- نفس المصدر
۴۳- دکتور جواد علی، المفصل ۸:۳۴۱
۴۴- ابوالفرج الاصبہانی، کتاب الاغانی ۱۱ : ۱۶۱